مولانا سلمان رضا ازہری

تقلید کی مخالفت
ایک عالمی وتحقیقی جائزہ

کائنات خلقت کی بوقلمونی

اس عالم رنگ وبو میں مختلف الخلقت اشیاء پائی جاتی ہیں، خدائے قدوس نے انھیں حسن و جمال سے آراستہ فرمایا ہے۔ ان کے اندر مراتب و درجات کی کارفرمائی ہے۔ پہلا درجہ جمادات کا ہے، جن کے اندر نمو کی قوت پائی جاتی ہے نہ ہی احساس و ادراک کی صلاحیت، اس کے بعد نباتات کا مرتبہ ہے، جو بڑھنے اور پھولنے پھلنے کی صلاحیت تو ضرور رکھتے ہیں، مگر احساس کی قوتوں سے محروم ہوتے ہیں، ان کے اندر ادراک کی قوت نہیں پائی جاتی ہے، وہ ارادی طور پر حرکت کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، اس کے بعد حیوانات کا درجہ ہے، یہ حساس اور متحرک بالارادہ ہوتے ہیں، اس کے بعد انسان کا مرتبہ و مقام ہے جو احساس و ادراک کی قوتوں سے مالامال ہونے کے ساتھ ساتھ فکر و تدبر کی صلاحیتوں سے بھی سرفراز ہوتے ہیں، جو مجہولات کو ترتیب دے کر معلومات کی بلندیوں پر کمند ڈالنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

لیکن اس موقع پر ایک سوال ذہن وفکر کی دہلیز پر دستک دیتا ہے کہ کیا ہر انسان کی قوت فکر ایک درجہ کی ہوتی ہے یا پھر ان میں تفاوت ہوتا ہے؟ کیا ہر انسان مجہولات سے معلومات تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ یا پھر ان میں ایک دوسرے کے دست نگر ومحتاج ہوتے ہیں، اس سوال کے جواب میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ انسان مختلف الاذہان ہوتے ہیں، بعض اپنی فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر چاند کی بلندیوں پر پہنچ کر عیش و راحت کے لیے محل تعمیر کرنے کی سعی پیہم کر رہے ہیں اور بعض اس ہموار زمین پر چلنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔

انسان کے افراد میں بعض ذہانت و فطانت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو کر دوسروں کے لیے رُشد و ہدایت کی شمعیں فروزاں کرتے ہیں اور بعض غباوت و سفاہت کی تیرگی میں رہ کر نہ صرف اپنی تباہی کے سامان پیدا کرتے ہیں بلکہ دوسروں کی بھی ہلاکت و بربادی کے اسباب فراہم کرتے ہیں۔ کچھ اپنی ذکاوت و ذہانت کے باعث گردش لیل و نہار، کواکب و نجوم کی انجمن آرائی اور بزمِ کہکشاں کا مشاہدہ کر کے خالق کائنات کا پتہ لگا لیتے ہیں اور بعض ایسے یتیم العقل ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے دلائل و براہین کے انبار بھی بے سود ہوتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر انسان میں یہ صلاحیت نہیں پائی جاتی کہ وہ علوم و معارف کے بحر مواج میں غوطہ زن ہو کر اس کی پنہائیوں سے حکمت و معرفت کے آبدار موتیوں کو برآمد کر سکے، بہ لفظ دیگر ہر انسان قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے مسائل شرعیہ کے استنباط و استخراج کی صلاحیت و قدرت نہیں رکھتا ہے، ہر شخص اجتہاد کے مرتبہ عظمیٰ پر فائز ہونے کی طاقت و قوت نہیں رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور علمائے کرام مسائل فرعیہ میں ہر شخص پر نظر و اجتہاد کو واجب و لازم نہیں کرتے ہیں۔ لیکن اسی ربع سکون پر مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی پایا جاتا ہے، جو عامۂ ناس کو اجتہاد کا مکلف بنانے پر اصرار بے جا کر رہا ہے۔ اس کا خیال خام یہ ہے کہ ہر مسلمان کے اندر قرآن و حدیث کے فہم و ادراک کی صلاحیتیں موجود ہیں، ان کو سمجھنے کے لیے وہ ائمہ کرام کے محتاج نہیں ہیں، اس کا کہنا ہے کہ جس طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام ایک دوسرے کی تقلید نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اس دور کے مسلمانوں کو بھی کسی کی تقلید نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ تقلید ناجائز و حرام ہے۔ گویا کہ یہ گروہ عوام الناس کو ”شتر بے مہار“ جیسی زندگی گزارنے کا تصور دے رہا ہے۔ رہ گیا اس کا یہ دعویٰ کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام ایک دوسرے کی تقلید نہیں کیا کرتے تھے۔ تو یہ بے مقدار کاتب الحروف۔ ان شاء اللہ آئندہ صفحات پر اس کے رخ سے نقاب اٹھانے کی پوری کوشش کرے گا اور انھیں کی تحریر سے ثابت کرے گا۔

تقلید کی تعریف اور مکاتب فکر

اس گروہ کی خامہ تلاشی اور اس کے نظریہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لینے سے قبل اصطلاح کے اعتبار سے تقلید کی تعریف سے آگاہ ہونا از حد ضروری ہے، ساتھ ہی یہ بھی جاننا لازم ہے کہ

تقلید کا مجال کیا ہے؟ اور اس سلسلہ میں اب تک کتنے مکاتب فکر عالم وجود میں آئے ہیں؟ تاکہ اس نوپید کی حقیقت آفتاب نصف النہار کے مانند روشن و آشکار ہو جائے۔ تقلید کی تعریف کرتے ہوئے علمائے اصولیین فرماتے ہیں: ”ھوا خذ قول الغیر من غیر معرفۃ دلیلہ“ (اصول الفقہ الاسلامی ۲/۴۰۱ الاحکام للآمدی ۳/۱۶۶ وغیرہما) یعنی تقلید کا مفہوم یہ ہے کہ غیر کے قول کو اس کی دلیل کی معرفت کے بغیر اپنانا اور اس پر عمل کرنا۔ جمہور علمائے کرام کے نزدیک عقائد اور ان مسائل میں تقلید جائز نہیں ہے، جن کا ثبوت دلائل قطعیہ سے ہے۔ البتہ بعض گمراہ فرقے ان میں بھی تقلید کو جائز قرار دیتے ہیں اور بعض تو واجب کہتے ہیں اور نظر و اجتہاد کو ناجائز وحرام ٹھہراتے ہیں (المستصفی ۲/۱۲۳، الاحکام للآمدی ۳/۱۶۷) رہ گئے وہ مسائل فرعیہ جن کا ثبوت دلائل ظنیہ سے ہوتا ہے تو ان میں تقلید کے سلسلہ میں علماء تین گروہ میں منقسم نظر آتے ہیں اور یہی تقلید ہمارے مقالہ کا محور ہے۔

(۱) پہلا گروہ ظاہریہ، معتزلہ بغداد اور اکثر امامیہ کا ہے، اس کا نظریہ یہ ہے کہ ہر شخص پر اجتہاد لازم وضروری ہے اور تقلید ناجائز وحرام ہے۔ چناں چہ ابن حزم ظاہری تحریر کرتے ہیں:

التقلید کلہ حرام فی جمیع الشرائع، اولھا عن آخرھا، من التوحید و النبوۃ، والقدر و الایمان والوعید والامامۃ والمفاضلۃ و جمیع العبادات ولاحکام. (الاحکام فی اصول الاحکام ۶/۸۶۱)

(۲) اور دوسرا گروہ حشویہ اور تعلیمیہ کا ہے، جو عدم جواز کا قائل ہے، اس کا کہنا ہے کہ ائمہ مجتہدین کے زمانہ کے بعد اب کسی کے لیے اجتہاد جائز نہیں ہے بلکہ سب پر تقلید واجب ہے۔
(اصول الفقہ الاسلامی ۲، ۱۴۰۷ مستصفی ۲/۱۲۳)

(۳) اور تیسرا گروہ اعتدال پسندوں کا ہے، بہ لفظ دیگر علمائے اہل سنت و جماعت کا ہے، جن کا نظریہ یہ ہے کہ اجتہاد ناجائز وحرام نہیں ہے کہ جو اجتہاد کی استطاعت وقدرت رکھتے ہوں ان کو بھی اس سے محروم کرکے ان پر تقلید کو واجب وضروری قرار دے دیا جائے۔ ہاں! جو اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے خواہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہوں، ان پر تقلید واجب ہے۔
(اصول الفقہ الاسلامی ۲/۴۰۷، الاحکام للآمدی ۳/۱۷۰، المستصفی ۲/۱۲۴ وغیرہما)

☆ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام ☆ جب حلال وحرام جمع ہوجائیں تو حرام غالب ہوگا ☆

تقلید کے بارے میں شیخ ابن تیمیہ کی رائے

ان تینوں مکاتب فکر کے آراء نظریات کو ملاحظہ کرنے کے بعد شاید ہی کوئی عاقل یہ قول کرنے میں تردد کا شکار ہو کہ پہلا اور دوسرا گروہ افراط و تفریط سے خالی نہیں اور تیسرا گروہ اعتدال کی راہ پر گامزن ہے، اس نے ہر انسان کو اجتہاد کا مکلف بنا کر تکلیف مالایطاق نہیں دیا ہے اور نہ ہی ہر شخص کے لیے تقلید کو واجب و لازم گردان کر اجتہاد کی اہلیت و صلاحیت رکھنے والوں کو اس سے محروم کیا ہے۔ اس لیے جو حضرات اجتہاد کی استطاعت نہیں رکھتے ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مجتہدین عظام کی تقلید کریں۔ البتہ جو صاحب استطاعت ہیں ان پر تقلید حرام ہے۔ شیخ ابن تیمیہ جمہور علمائے اہل سنت کے نظریہ کو اجاگر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

والذی علیه جما هیرا الامة، ان الاجتهاد جائز فی الجملة، والتقلید جائز فی الجملة، لایو جبون الاجتهاد علی کل احد و یحرمون التقلید، ولایوجبون التقلید علی کل احد و یحرمون الاجتهاد، وان الا جتهاد جائز للقادر علی الاجتهاد، والتقلید جائز للعاجز عن الاجتهاد، فا ما القادر علی الاجتهاد و فهل یجوزله التقلید؟ هذا فیه خلاف، والصحیح انه یجوز حیث عجز عن الاجتهاد. (مجموعۃ الفتاویٰ ۱۰،۲۰،۱۱۲)

یعنی جمہور امت کے نزدیک اجتہاد بھی جائز ہے اور تقلید بھی، وہ نہ تو ہر شخص پر اجتہاد کو واجب اور تقلید کو حرام کرتے ہیں، اور نہ ہی ہر شخص پر تقلید کو واجب اور اجتہاد کو حرام کرتے ہیں، جو اجتہاد کی قدرت و استطاعت رکھتا ہے، اس کے لیے اجتہاد جائز ہے اور جو اجتہاد سے عاجز ہے، اس کے لیے تقلید جائز ہے، لیکن جو شخص اجتہاد پر قادر ہے، اس کے لیے تقلید جائز ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، مگر صحیح یہ کہ جہاں وہ اجتہاد سے عاجز ہو وہاں اس کے لیے بھی تقلید جائز ہے۔

ماجاز لعذر بطل بزواله ☆ جس کا استعمال عذر کی وجہ سے جائز ہو عذر ختم ہوتے ہی جواز بھی ختم ہوجائے گا۔

تقلید کی جھوٹی تاریخ اور اس پر تعقب

شمس وامس کی طرح واضح ہوگیا کہ جمہور جس راہ پر چل رہے ہیں وہی صراط مستقیم ہے لیکن کچھ لوگ ظاہریہ، معتزلہ بغداد اور امامیہ کے افکار ونظریات سے متاثر ہوکر ہر کس و ناکس کو مجتہد بنانے کی مہم چلا رہے ہیں انھیں کے آراء ونظریات کو عام کرنے کی سعی لا حاصل کر رہے ہیں اور انھیں کے پرفریب دلائل کا سہارا لے کر بہ الفاظ دیگر انھیں کی تقلید کا پٹہ گلے میں ڈال کر عوام کو خواہشات نفس کا بندہ بے دام بنانے کی ناپاک کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم اسلاف کے طریقہ پر عمل پیرا ہیں جس طرح وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، اسی طرح ہم بھی کسی کی تقلید کے قائل نہیں ہیں۔ کیوں کہ تقلید کا سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں شروع ہوا ہے۔ چناں چہ سلفی مذہب کے متحرک و فعال اور سرگرم رکن قاضی شوکانی صاحب تحریر کرتے ہیں:

ان التقلید لم یحدث الاانقرض خیر القرون، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم، وان حدوث التمذھب بمذاھب الائمۃ الاربعۃ، انماکان بعد انقراض عصر الائمۃ الاربعۃ، وانھم کانو اعلی نمط من تقدمھم من السلف فی ھجر التقلید، و عدم الاعتدادبہ، وان ھذہ المذاھب انما احدثھا عوام المقلدۃ لانفسھم من دون ان یاذن بھا امام من الائمۃ المجتھدین.

(القول المفید فی ادلۃ الاجتھاد و التقلید، ص۱۰۸)

یعنی تقلید کا سلسلہ ائمہ اربعہ کے زمانہ کے بعد شروع ہوا، جب کہ ائمہ اربعہ سلف کے طریقہ پر تھے، یعنی تقلید نہیں کرتے تھے اور ان مذاہب کو عام مقلدوں نے اپنے لیے ائمہ مجتہدین کی اجازت کے بغیر اختیار کرلیا ہے۔

شوکانی صاحب کی یہ بات کہ ''تقلید کا سلسلہ ائمہ اربعہ کے بعد شروع ہوا ہے۔'' ان کے نظریہ کے مطابق قابل عمل تو درکنار لائق اعتناء بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کے قول کو دلائل کی پشت پناہی حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے قول کو بلادلیل مان لینا گویا ان کی تقلید کرنا ہے جو ان کی نگاہ میں سرتا سرنا جائز وحرام ہے، اس لیے ان کی یہ بات نہ صرف یہ کہ اہل سنت و جماعت کے

نزدیک غیر معتبر ہے بلکہ خود ان کے "مقلدین" کو بھی اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں دلائل وشواہد اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔ چناں چہ شوکانی صاحب کے ہم نوا و ہم خیال ابن قیم صاحب نے اپنی کتاب میں کچھ ایسے واقعات صحابہ کرام و تابعین عظام کے ذکر کیے ہیں، جو خود ان کے اور شوکانی صاحب کے نظریہ پر بجلی بن کر گرتے ہیں اور طرفہ تو یہ ہے کہ ابن قیم صاحب نے اس پر اپنا تعقب بھی نہیں پیش کیا ہے، جس سے ان کی عاجزی و درمندگی نمایاں ہے:

ابن قیم کا اعتراف حقیقت کہ صحابہ تقلید کرتے تھے

چناں چہ وہ تحریر کرتے ہیں:

ولما كان على رضى الله عنه باليمن اتاه ثلاثة نفر يختصمون فى غلام، فقال كل منهم: هوا بنى، فاقرع على بينهم، فجعل الولد للقارع و جعل للرجلين ثلثى الدية فبلغ النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فضحک حتى بدت نواجذه من قضاء على رضى الله عنه.

(اعلام الموقعين ۱/۱۶۴ فصل: الصحابة مجتهدون ويقسيون)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یمن میں تھے، تو ان کی بارگاہ میں تین اشخاص ایک بچہ کے سلسلے میں اختلاف کر کے حاضر ہوئے اور ہر شخص اپنا بیٹا کہہ رہا تھا تو آپ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور جس کا نام نکلا بچہ کو اسی کے حوالہ کر دیا، البتہ اس سے دیت کا ثلث حصہ لیا اور ان لوگوں کو دے دیا، جب اس فیصلہ کی خبر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

ابن قیم صاحب کی اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ میں کوئی آیت ملی اور نہ ہی کوئی حدیث، اسی لیے انھوں نے اجتہاد فرمایا اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا اور جب اس کی خبر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملی تو آپ نے انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ رضا کا اظہار فرما۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ زمانہ رسالت میں صحابہ کرام اجتہاد فرمایا

کرتے تھے اور جو حضرات اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے وہ دوسروں کی تقلید کیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ تو اجتہاد سے منع فرماتے اور نہ ہی تقلید کو حرام قرار دیتے۔

اور ابن قیم صاحب رقم طراز ہیں:

واجتهد سعاد بن معاذ في بني قريظة، وحكم فيهم باجتهاده فصوبه النبي صلى الله عليه وسلم و قال: لقد حكمت فيهم بحكم الله من فوق السموات والارض.

(اعلام الموقعين ۱/۱۶۴ فصل: الصحابة مجتهدون و اليقيسو)

یعنی حضرت سعاد بن معاذ نے بنو قریظہ کے اندر اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تصویب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

اس روایت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہاد فرماتے تھے اور جن کے اندر اجتہاد کی استطاعت نہیں ہوتی تھی وہ ان کی تقلید کیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر تھی مگر آپ نے اجتہاد و تقلید سے منع نہیں فرمایا۔ ابن قیم صاحب نے شوکانی صاحب کے ہم خیال ہونے کے باوجود ان کے علاوہ اور بہت سی روایات کو سپرد قرطاس کیا ہے جن سے اہل سنت و جماعت کے موقف کی تائید و توثیق ہوتی ہے۔ (ملاحظہ ہو اعلام الموقعین ۱/۱۶۳، ۱۶۴ فصل: **الصحابة يجتهدون و يقيسون**) لہٰذا شوکانی صاحب کا یہ دعویٰ کہ ''تقلید کا آغاز ائمہ اربعہ کے بعد ہوا'' ہباء منثورا ہوگیا۔

ابن قیم کی تلوار شوکانی صاحب کی گردن پر

سلفی مذہب کی نشرواشاعت میں شوکانی صاحب کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے، انھوں نے ''کشت غیر مقلدیت'' کو اپنے خون پسینہ سے سیراب کیا ہے اور اس کی سرسبزی و شادابی کے لیے اپنی حیات مستعار کو صرف کر دیا، اور تقلید کی مخالفت کے جذبات کی رو میں بہ کراتنے حواس باختہ ہوگئے کہ جو آیات کریمہ کفار و مشرکین کی مذمت میں وارد ہوئی تھیں، ان کو بڑی بے باکی کے ساتھ ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنے والے مسلمانوں پر چسپاں کر دیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(۱) واذا قیل لھم اتبعو اما انزل اللّٰہ قالو ابل نتبع ماالفینا علیہ آباء نا اولو کان آبائو ھم لایعقلون شیئا ولا یھتدون. (سورۃ البقرۃ ۱۷۰) ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے، اللہ کے اتارے پر چلو، تو کہیں، بلکہ ہم اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا، کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت (کنزالایمان)

(۲) وکذلک ماأرسلنا من قبلک فی قریۃ من نذیر الاقال مترفوھاانا و جدنا اباء نا علی امۃ وانا علی آثار ھم مقتدون، قال اولو جئتکم باھدی مما وجدتم علیہ اباء کم. (سورۃ الزخرف ۲۳،۲۴) ترجمہ: اور ایسے ہی ہم نے تم سے پہلے جب کسی شہر میں کوئی ڈرسنانے والا بھیجا، وہاں کے آسودوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم ان کی لکیر کے پیچھے ہیں، نبی نے فرمایا اور کیا جب بھی کہ میں تمہارے پاس وہ لاؤں جو سیدھی راہ ہو اس سے جن پر تمہارے باپ دادا تھے۔
(کنزالایمان)

(۳) و اذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللّٰہ والی الرسول قالو احسبنا ما وجدنا علیہ آباء نا. (سورۃ المائدہ ۱۰۴) ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف، کہیں ہمیں وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔
(کنزالایمان)

ان آیات کو شوکانی صاحب نے تقلید کی مذمت پر استدلال کرتے ہوئے پیش کیا ہے اور تقلید کے ردو ابطال میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔ مگر انھیں کے ہم خیال ابن قیم صاحب عدل و انصاف کے گلے پر چلتی ہوئی چھری دیکھ کر برداشت نہ کرسکے اور ان کی ساری کدو کاوش پر پانی پھیرتے ہوئے صاف لفظوں میں لکھا کہ ان آیات کریمہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو احکام خداوندی پر عمل نہ کرکے اپنے آباء واجداد کی پیروی کیا کرتے تھے، جو نہ کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں، کیونکہ یہ تقلید تو اجروثواب کا باعث ہے۔ چناں چہ وہ ان آیات کو نقل کرکے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

ان سبحانہ ذم من اعرض عما انزلہ الی تقلید الاباء و ھذا القدر

من التقلید ھوما اتفق السلف والائمۃ الاربعۃ علی ذمہ و تحریمہ، واما تقلید من بذل جھدہ فی اتباع ما انزل اللّٰہ و خفی علیہ بعضہ فقلد فیہ من ھواعلم منہ فھذا محمود غیر مذموم ماجور غیر مازور۔ (اعلام الموقعین ۲/۴۳۸)

یعنی اس میں کوئی دورائے نہیں کہ خدائے قدوس نے اس شخص کی مذمت کی ہے، جس نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید کی اور اس کے نازل کردہ احکامات سے روگردانی کی۔ اسی تقلید کی حرمت و مذمت پر ائمہ کرام و سلف صالحین متفق ہیں۔ البتہ جس نے احکام خداوندی کی تحقیق و تلاش میں پوری کوشش صرف کر دی اور صحیح نتیجہ تک نہ پہنچ سکا اور اس نے اپنے اس اعلم و افضل کی تقلید کرلی تو یہ محمود ہے، مذموم نہیں۔ اس پر وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا نہ کہ گناہ کا۔

ابن قیم صاحب کی اس عبارت سے واضح ہوا کہ سلف صالحین اور ائمہ کرام نے جس تقلید کی مذمت وحرمت پر اتفاق و اجماع کیا ہے وہ انسان کا خدائے قدیر کے احکام سے چشم پوشی کرکے اپنے آباء و اجداد کی تقلید کرنا ہے نہ کی مجتہدین عظام کی پیروی کرنا ہے۔ لہٰذا شوکانی صاحب نے سلفی ہونے کے باوجود ان آیات کو تقلید ائمہ پر چسپاں کرکے اسلاف کے اجماع و اتفاق سے اختلاف کیا اور خرق اجماع کے جرم کا ارتکاب کیا جو بہر حال ایک سنگین جرم ہے۔

شوکانی صاحب کا قابل دید اضطراب

علمائے اہل سنت و جماعت نے اپنے نظریہ کو دلائل و براہین سے آراستہ کیا ہے، جو منصف مزاج اور اعتدال پسند حضرات کے دل و دماغ میں اترتے چلے جاتے ہیں اور انھیں صراطِ مستقیم کی ہدایت و رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر جو ظاہر یہ، معتزلہ بغداد اور امامیہ کے زلفوں کے اسیر ہو چکے ہیں، اور ان کی تقلید کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال کر انھیں کو اپنا ماوی و ملجا تسلیم کر لیے ہیں، وہ ان دلائل واضحہ کی ایسی ''پولیو زدہ تاویل'' کرتے ہیں کہ ادنی ذہن وفکر کا مالک ان کی عقل و دانش کا مذاق اڑانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر علمائے اہل سنت و جماعت تقلید

کے وجوب پر استدلال کرتے ہوئے قرآن کریم کی یہ آیت شریفہ پیش کرتے ہیں۔ قال تعالیٰ: **فاسئلوا اهل الذكران كنتم لاتعلمون.** (سورۃ النحل ۴۳) ترجمہ: تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت مبارکہ میں خدائے قدیر نے اپنے ان بندوں کو اہل علم سے دریافت کرنے کا حکم دیا ہے جو زیور علم سے مزین نہیں ہیں، اس سے تقلید کا ثبوت ہوتا ہے، اس لیے غیر مقلدوں کے پیر مغاں قاضی شوکانی صاحب نے اپنے اجتہاد کی ساری قوتوں کو سمیٹ کر بحر توجیہ و تاویل میں کود پڑے اور کشتی غیر مقلدیت کو غرق ہونے سے بچانے کے لیے اپنی سی کوشش کر ڈالی۔ وہ لکھتے ہیں: ''اس آیت کا نزول خاص سوال کے بارے میں ہوا ہے، جیسا کہ آیت کا سیاق دلالت کر رہا ہے، ابن جریر، بغوی اور اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ ان مشرکین کے رد میں نازل ہوئی ہے، جو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے تھے اور اگر بالفرض ہم یہاں پر سوال عام مراد لے لیتے ہیں، تب بھی (مقلدین کو) مقصود حاصل نہیں ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ''اہل الذکر'' سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے اور ''ذکر'' سے مراد صرف قرآن کریم اور احادیث نبویہ ہیں۔ لہٰذا صرف اہل قرآن و حدیث سے سوال جائز ہوگا۔

(ترجمہ: ملخصا القول المفید فی ادلة الاجتهاد و التقلید، ص ۷)

شوکانی صاحب کی یہ تاویل کتنی مضحکہ خیز ہے وہ محتاج بیان نہیں، کیونکہ اصول میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ خصوصی سبب کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، مگر آں جناب جذبات کی رو میں اس قدر بہہ گئے کہ اصول وضوابط کے بندھنوں کو توڑ دیا کہ کسی طرح غیر مقلدیت کی کشتی کو ڈوبنے سے بچاسکیں، لیکن ناکامی مقدر تھی، اس لیے کامیاب نہ ہوسکے، اور یہاں پر تو کہہ دیا کہ سوال خاص ہے، بہ لفظ دیگر خصوصی سبب کا اعتبار ہے نہ کی عموم لفظ کا، لیکن جب تقلید کے رد پر قرآن سے استدلال کیے تو چوں کہ ان آیات کا نزول کفار کے بارے میں ہوا تھا۔ اس لیے انھوں نے ان آیات میں عموم لفظ کا اعتبار کیا اور خصوص سبب سے نگاہیں موڑلیں، گویا کہ وہ اپنے بنائے ہوئے اصول کی زنجیر میں اس طرح جکڑ گئے کہ اس سے چھٹکارا پانا ان کے لیے محال ہوگیا۔ چناں چہ وہ آیات جو کفار ومشرکین کے حق میں نازل ہوئی

تھیں، ان کو مسلمانوں پر منطبق کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

وھی وان کان تنزیلھا فی الکفار، لکنہ قد صح تاویلھا فی المقلدین لاتحاد العلۃ، وقد تقرر فی الاصول ان الاعتبار بعموم اللفظ لا بخصوص السبب، وان الحکم یدور مع العلۃ وجودا و عدما. (القول المفید ۲۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ائمہ کرام کے بنائے ہوئے اصولوں کی تقلید نہ کرنے کی وجہ سے عالم کہلانے والے بلکہ مجتہد گردانے جانے والے اضطراب کا شکار ہو کر ٹھوکریں کھا کھا کر گر رہے ہیں تو عام لوگوں کو اگر مطلق العنان بنا دیا جائے تو پھر ان کا کیا حال ہوگا؟

قاضی شوکانی صاحب زبردست ٹھوکر کھانے کے بعد کہتے ہیں کہ ''اگر بالفرض سوال کو عام مان لیا جائے، تب بھی مقصود حاصل نہیں ہوگا، کیونہ ''اہل الذکر'' سے مراد اہل قرآن و اہل حدیث ہیں'' خدا جانے شوکانی صاحب نے اہل قرآن اور اہل حدیث سے کیا مراد لیا ہے؟ یہ تو ان کے ''مقلدین'' ہی بتا سکتے ہیں کہ انھوں نے اس سے ان خاص فرقوں کو مراد لیا ہے جو ''اہل قرآن'' اور ''اہل حدیث'' کے نام سے مشہور ہیں یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جو قرآن و حدیث کا علم رکھتے ہیں؟

اور ان سے مسائل کے استخراج و استنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ بہر حال اگر پہلی شق کو اختیار کرتے ہیں تو اس کا واضح مفہوم یہ ہوگا کہ غیر مقلدین سے سوال کرو، اور اس پر عمل کرکے ان کی تقلید کرو، گویا شوکانی صاحب ائمہ کرام کی تقلید سے روک کر لوگوں کو اپنا مقلد بنانے کی سعی و کوشش کر رہے ہیں اور اگر شق ثانی کو اپناتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ائمہ کرام و مجتہدین عظام قرآن و حدیث کا علم نہیں رکھتے تھے؟ کتاب اللہ کو سمجھنے کی صلاحیت ان کے اندر نہیں تھی؟ احادیث نبویہ کے فہم و ادراک کی قوتوں سے خالی تھے؟ بہ لفظ دیگر احادیث کی روایت و درایت سے نابلد تھے؟ میرے خیال میں ابتدائی درجات کا ایک غبی طالب علم بھی یہ قول کرتے ہوئے شرمائے گا۔ لہٰذا روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ ''اہل الذکر'' سے مراد وہ علمائے ربانیین ہیں جو مرتبہ اجتہاد پر فائز ہوئے اور انھیں کی تقلید کی جائے گی نہ کہ، ان ہلاکت زدہ اور یتیم العلم کی

☆من استعجل الشئی قبل اوانہ عوقب مجرمانہ☆

پیروی کی جائے گی جو اپنے ہی وضع کردہ اصولوں کی زنجیروں میں جکڑے کراہ رہے ہیں۔

ابن قیم کے نزدیک ائمہ کی تقلید والدین کی اطاعت سے برتر

ابن قیم صاحب جنھوں نے خود تقلید کے رد میں بہت کچھ لکھا ہے (ملاحظ ہوا علام الموقعین ۲/۴۳۲۷-۵۰۴) وہ فقہائے اسلام کو آسمان رشد و ہدایت کے نجوم و کواکب اور ان کی اطاعت کو ماں باپ کی اطاعت سے افضل بتاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> فقهاء الاسلام، و من درات الفتيا على اقوالهم بين الانام الذين خصوابا ستنباط الاحكام، وعنوابضبط قواعد الحلال و الحرام، فهم فى الارض منزلة النجوم فى السماء بهم يهتدى الحيران فى الظلماء وحاجة الناس اليهم اعظم من حاجتهم الى الطعام والشراب، و طاعتهم افرض عليهم من طاعة الامهات والاباء بنص الكتاب،قال تعالىٰ:"ياايها الذين آمنوا اطيعوالله واطيعو الرسول وأولى الامرمنكم. (اعلام الموقعين ۱/۱٦)
>
> یعنی فقہائے اسلام اور جن کے فتاوے لوگوں کے مابین شائع اور ذائع ہیں اور جنھوں نے احکام کا استنباط کیا اور حلال وحرام کے اصول وقواعد وضع کیے، وہ اس زمین پر آسمان کے تاروں کے مانند ہیں (جس طرح رات کی تاریکی میں اور بحری سفر کرنے والے ان تاروں کے ذریعہ منزل مقصود کا صحیح سمت متعین کرتے ہیں) اسی طرح گمرہی کی تیرگی میں زندگی بسر کرنے والے ان علمائے کرام سے ہدایت حاصل کرتے ہیں اور لوگ طعام و شراب سے کہیں زیادہ ان کے محتاج ہیں اور ان کی اطاعت والدین کی اطاعت سے برتر ہے۔ جیسا کہ کلام اللہ سے ثابت ہے۔
>
> اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **یا ایها الذین آمنو۔**

ابن قیم کی یہ عبارت خرمن غیر مقلدیت پر بجلی بن کر گر رہی ہے، کیوں کہ وہ صاف لفظوں میں لکھ رہے ہیں کہ "ائمہ کرام و فقہائے اسلام کی اطاعت والدین کی اطاعت سے بلند

درجہ رکھتی ہے'' یہ الگ بات ہے کہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اس عبارت کا صدور ان کے قلم سے ہوش وحواس کی سلامتی اور قصد وارادہ کے ساتھ ہوا یا غفلت و نادانی میں: **الفضل ماشهدت به الاعداء.**

تقلید کا ثبوت خود شوکانی صاحب کی تفسیر سے

علمائے اہل سنت و جماعت تقلید کے وجوب پر استدلال کرتے ہوئے قرآن حکیم کی اس آیت شریفہ کو پیش کرتے ہیں، ''**يا ايها الذين آمنوا اطيعو الله واطيعو الرسول و اولی الامر منكم**'' (النساء ۵۹)

اس آیت مبارکہ میں خدائے قدیر نے اپنی اور اپنے حبیب لبیب علیہ الصلاۃ والتسلیم کی اطاعت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ ''اولوالامر'' کی بھی اطاعت کا حکم صادر فرمایا ہے ''اولوالامر'' کی تفسیر میں قاضی شوکانی صاحب رقم طراز ہیں:

> **واولی الامر: هم الائمة والسلاطين والقضاة وكل من كانت له ولاية شرعية لاولاية طاغوتية، والمراد: طاعتهم فيما يامرون به، وينهون عنه مالم تكن معصية، فلا طاعة لمخلوق فی معصية الله، كماثبت ذلک عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وقال جابر بن عبدالله و مجاهد: ان اولی الامر: اهل القرآن والعلم، و به مالک والضحاک، وروی عن مجاهد، انهم اصحاب محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وقال ابن كيسان، هم اهل العقل والرأی، والراجح القول الاول.** (فتح القدیر ا/۷۶۸)
>
> یعنی ''اولوالامر'' سے ائمہ کرام، سلاطین، قضاۃ اور ہر وہ شخص مراد ہے جسے شرعی ولایت وحکومت حاصل ہے اور ان کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جن باتوں کا حکم دیں ان کو بجالایا جائے اور جن سے منع کریں ان سے بازرہاجائے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ معصیت کا حکم نہ دیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت و پیروی نہیں کی جاسکتی جیسا کہ

حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جابر بن عبداللہ اور مجاہد نے فرمایا کہ ''اولی الامر'' سے اہل قرآن واہل علم مراد ہیں اور یہی مالک اورضحاک کی رائے ہے، اور مجاہد سے ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ اس سے صحابہ کرام مراد ہیں، اور ابن کیسان کا کہنا ہے کہ اس سے اہل عقل ورائے مراد ہیں۔لیکن راجح قول اول ہے۔

حافظ ابن کثیر کی رائے

اور ابن قیم کے شاگرد حافظ ابن کثیر ''اولوالامر'' کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

وقال علی بن ابی طلحة عن ابن عباس: ''واولی الامرمنکم'' یعنی اهل الفقه والدین، وکذاقال: مجاهد و عطاء، والحسن البصری وابو العالیه، اولی الامریعنی العلماء، والظاهروالله اعلم انها عامة فی کل اولی الامرمن الامرا والعلماء کما تقدم.

(تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۱۸)

یعنی علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ''اولوالامر'' سے فقہاء اور ائمہ دین مراد ہیں اور یہی مجاہد، عطا، حسن بصری اور ابو العالیہ کا قول ہے اور ظاہر یہ ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ یہ امراء و علماء دونوں کو شامل ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کی رائے:

اور ابن قیم کے استاد گرامی شیخ ابن تیمیہ رقم طراز ہیں:

قد او جب الله طاعة الرسول علی جمیع الناس فی قریب من اربعین موضعامن القرآن، وطاعة طاعة الله، وهی عبادة الله وحده لاشریک له، و ذلک هو دین الله وهو الاسلام، وکلن من امر الله بطاعته من عالم و امیر و والدوزوج، فلان طاعته

طاعة الله. (مجموعۃ الفتاوی ۱۰/۱۹/۱۴۱)

یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں تقریباً چالیس مقامات پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمان برداری کو تمام لوگوں پر واجب قرار دیا ہے اور ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اللہ کی اطاعت اس وحدہ لاشریک کی عبادت و بندگی ہے اور یہی دین اسلام ہے اور ہر اس شخص کی پیروی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس کی اطاعت کا خدائے قدیر نے حکم دیا ہے، خواہ وہ عالم ہو یا امیر، والد ہو یا شوہر۔

شوکانی صاحب زبردست تناقض کے شکار

شیخ ابن تیمیہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ کرام ومجتہدین عظام کی تقلید درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب علیہ التحیۃ والثناء ہی کی اطاعت وفرمانبرداری ہے، کوئی الگ شئ نہیں ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ شوکانی صاحب نے ''اولوالامر'' کی تفسیر میں جابر بن عبداللہ اور مجاہد کے قول کو راجح قرار دیا ہے، جنھوں نے اس سے علماء مراد لیا ہے۔ ساتھ ہی اس جسارت سے ان کا منہج تفسیر بھی اجاگر ہوتا ہے وہ یہ کہ ''چند اقوال میں جو ان کے نزدیک راجح ہوتا ہے، اس کو وہ مقدم رکھتے ہیں'' جیسا کہ انھوں نے ''اولی الامر'' کی تفسیر میں ''ائمہ'' کو مقدم کرکے اسی کو راجح بتایا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ جب وہ تقلید کے رد وابطال پر کمربستہ ہوئے ہیں تو وہ جسے ''فتح القدیر'' میں راجح قرار دے چکے تھے، اسی کو ''القول المفید'' میں مرجوح بتانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چناں چہ وہ مقلدین کا رد کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

ومن جملة ما استدلو ابه قوله تعالیٰ: ''اطیعوا اللّٰه واطیعو الرسول واولی الامرمنکم'' وقالوا: واولو الامر، هم العلماء اطاعتهم تقلید هم فیما یفتوبه، والجواب: ان للمفسرین فی تفسیر ''اولی الامر'' قولین احدهما: انهم الامراء والثانی: انهم العلماء ولاتمنع ارادة الطائفتین من الاية الکریمة، ولکن این هذا من الدلالة علی مراد المقلدین، فانه لاطاعة للعلماء ولا للامراء الا

اذا امروا بطاعة اللّٰه علی وفق شریعته، والا فقدثبت عنه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم انه قال: لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق. (القول المفید، ص ۲۸)

یعنی جواز تقلید کے قائلین اس آیت کریمہ (اطیعو اللہ...) سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''اولوالامر'' سے علماء مراد ہیں اور ان کی اطاعت ان کی تقلید ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ''اولوالامر'' کے سلسلہ میں مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے امراء مراد ہیں، اور دوسرا یہ کہ اس سے علماء مراد ہیں اور آیت کریمہ میں دونوں گروہوں کو مراد لیا جاسکتا ہے۔ مگر مقلدین کو اس سے ان کا مقصد کہاں حاصل ہو رہا ہے؟ کیوں کہ علماء اور روساء کی تقلید و اطاعت اسی صورت میں ہے۔ جب کہ وہ شریعت کے مطابق خدائے قدوس کی اطاعت کا حکم دیں، اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت و نا فرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت و فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔

شوکانی صاحب کی اس عبارت سے دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔

(۱) آیت کریمہ میں ''اولی الامر'' سے امراء وسلاطین کا مراد لینا راجح ہے اور علماء وائمہ کا مراد لینا مرجوح ہے، کیونکہ انھوں نے یہاں پر مفسرین کرام کے اقوال کو ذکر کرتے ہوئے، اسی کو مقدم رکھا ہے، اور ''فتح القدیر'' کے حوالہ سے ان کا منہج ظاہر ہوچکا ہے کہ ان کے نزدیک جو بات راجح ہوتی ہے، اس کو مقدم کرتے ہیں، جیسا کہ ''فتح القدیر'' میں انھوں نے ''ائمہ'' کو مقدم کر کے کہا تھا کہ یہی راجح ہے۔ ظاہر ہے شوکانی صاحب ''اولی الامر'' کی تفسیر میں راجح اور مرجوح کے تعین میں زبردست تناقض و تضاد کے شکار ہوگئے ہیں اس کو ان کا کوئی ''نیازمند مقلد'' ہی دُور کرسکتا ہے۔

(۲) شوکانی صاحب نے کھلے لفظوں میں اعتراف کرلیا کہ ائمہ کرام اگر شریعت غراء کی روشنی

میں مسئلہ بتائیں تو ان کی تقلید جائز ہوگی اور اگر اسلام کے خلاف کوئی فکر سنائیں، جس سے معصیت لازم آئے تو تقلید نا جائز وحرام ہوگی۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ائمہ کرام و مجتہدین عظام شریعت کے خلاف احکام بیان کرتے تھے؟ کیا خدائے وحدہ لاشریک کی معصیت و نا فرمانی کا حکم دیتے تھے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ شوکانی صاحب کی طرف سے فقہائے اسلام پر افترا پردازی اور بہتان تراشی ہے، جو کم از کم ان کے شایان شان نہیں، کیوں کہ وہ اپنے ''علاقہ'' میں مجتہد گمان کیے جاتے ہیں، علاوہ ازیں ابن قیم کے بارے میں آپ کون سا فتوی صادر کریں گے؟ جو ائمہ کرام کی تقلید کو ماں باپ کی اطاعت سے افضل بتارہے ہیں۔ اور اگر نفی میں جواب دیتے ہیں تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ آپ نے تقلید کے ردوابطال کی ضرورت کیوں محسوس کی؟

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس موقع پر شوکانی صاحب کا کوئی گرویدہ اور نادیدہ عاشق ان کی تقلید کے جذبہ سے سرشار ہوکر یہ کہے کہ مجتہد سے کبھی کبھار اجتہاد میں غلطی بھی ہوتی تھی۔ لہٰذا جو شخص ان کی تقلید اس مسئلہ میں کرے، جس میں خطا واقع ہوئی ہے۔ جو شریعت کے خلاف ہے تو گویا کہ وہ معصیت میں تقلید کررہا ہے، جو نا جائز وحرام ہے۔

اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ تعصب و تنگ نظری کی ''وادی تیہہ'' سے باہر نکل کر عدل و انصاف کا عینک لگا کر شیخ ابن تیمیہ کی مندرجہ ذیل عبارت کا گہری نظر سے مطالعہ کریں، حقیقت چلچلاتی دھوپ کی طرح آشکار ہوجائے گی، وہ تحریر کرتے ہیں:

> **واجتهاد العلماء فی الاحکام کا جتهاد المستدلین علی جهة الکعبة، فاذا صلی اربعة انفس کل واحد منهم بطائفة الی اربع جهات لاعتقاد هم ان القبلة هناک، فان صلاة الاربعة صحیحة والذی صلی الی جهة الکعبة واحد، وهو المصیب الذی له اجران.** (مجموعۃ الفتاوی ۱۰/۲۰/۱۲۵)

یعنی احکام شرعیہ میں علمائے کرام کا اجتہاد جہت کعبہ کے سلسلہ میں اجتہاد

کرنے والوں کی طرح ہے۔ اگر چار افراد نے چار مختلف جہتوں میں ایک ایک جماعت کے ساتھ نماز ادا کی، اس اعتقاد کے ساتھ کہ قبلہ ادھر ہی ہے تو سب کی نماز صحیح ہوگی، حالاں کہ جہت کعبہ میں ایک ہی نماز ادا کر رہا ہے جو مصیب ہے جس کے لیے دو اجر ہیں۔

اور ایک دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں:

والعالم اذا افتی المستفتی بمالم یعلم المستفتی انه مخالف لامرالله، فلا یکون المطیع له عاصیاً، واما اذا علم انه مخالف لامرالله فطاعته فی ذلک معصیة الله. (مجموعۃ الفتاویٰ ۱۰/۱۹/۱۴۱)

یعنی جب عالم نے استفتا کرنے والے کو ایسا فتویٰ دیا جس کے بارے میں سائل یہ نہیں جانتا ہے کہ یہ احکام خدا کے مخالف ہے، تو اس عالم کی تقلید کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ البتہ مستفتی کو اگر اس بات کا علم ہے کہ یہ شریعت کے مخالف ہے تو ایسی صورت میں اس عالم کی تقلید کرنے والا گنہگار ہوگا۔

شیخ ابن تیمیہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ مقلد کو اگر اس بات کا علم ہے کہ مجتہد سے اس مسئلہ میں غلطی واقع ہوگئی ہے، اس کے باوجود وہ تقلید کر رہا ہے تو وہ گنہگار ہوگا، ہاں اگر وہ اس کے بارے میں نہیں جانتا ہے اور تقلید کر رہا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

خلاصۂ بحث

غیر مقلدین اس کے علاوہ چند اور لایعنی دلائل کا سہارا لیتے ہیں اور عوام الناس کو ورغلانے کی لا حاصل جدوجہد کرتے ہیں، اگر ان سب کا تحقیقی وتنقیدی تجزیہ کیا جائے تو ان کی حقیقت صدائے بازگشت کے سوا کچھ نہ ہوگی، مگر راقم الحروف اسی پر اکتفا کرتا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عامہ ناس پر تقلید واجب وضروری ہے اور ساتھ ہی وہ علمائے کرام جو درجہ اجتہاد تک نہیں پہنچ سکے، ان کے لیے بھی تقلید ضروری ہے، البتہ جو صاحب

☆ جب حقوق باہم متعارض ہوں تو ان میں جس کا وقت تنگ ہو اسے ترجیح حاصل ہوگی ☆

اجتہاد ہیں، ان کے لیے تقلید حرام ہے، انھیں لوگوں کو ائمہ کرام نے اپنی تقلید سے منع فرمایا ہے نہ کہ عوام الناس کو تقلید سے روکا ہے، جیسا کہ ابن قیم اور شوکانی اور ان کے مقلدین گمان کرتے ہیں اور تقلید کے بطلان پر ان کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔ چناں چہ علامہ زرکشی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

هذا الذی قاله ممنوع، وانما منعو المجتهد خاصة عن تقليد هم دون من لم يبلغ هذا الرتبة. (البحر المحيط. ۲۸۰/۶)

یعنی جو یہ کہا گیا ہے کہ ائمہ کرام نے اپنی تقلید سے عوام الناس کو روکا ہے یہ صحیح نہیں بلکہ انھوں نے خاص مجتہدین کو منع فرمایا ہے۔

عالم کی فضیلت

فضل العالمِ على العابد كفضلِ القمرِ على سائرِ الكواكب

(سنن ابو داود و ترمذی)

ایک عالم کو ایک عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ چاند کو دوسرے تمام ستاروں پر (حدث شریف)

عہد رسالت سے عہد حاضر تک

فن اصول فقہ کی تاریخ پر ایک موقر تحقیقی کتاب

جس میں اصول فقہ کے وہ تمام مباحث اردو زبان میں موجود ہیں جن کی ضرورت مدارس دینیہ کے طلبہ وطالبات اور محققین کو پیش آتی رہتی ہے از قلم ڈاکٹر فاروق حسن صاحب استاذ جامعہ این ای ڈی، فاضل علوم اسلامیہ جامعہ علیمیہ کراچی ۹۶۰ صفحات پر بڑی تقطیع میں عمدہ طباعت خوبصورت ٹائیٹل بہتری کاغذ، شاندار طباعت، ناشر دارالاشاعت اردو بازار کراچی

☆التاسیس خیر من التاکید ☆ تاسیس تاکید کی نسبت بہتر ہوتی ہے☆